آسام تا کشمیر: مسلمانوں کے سروں پر لٹکتی تلوار

افتخار گیلانی°

کیا ستم ظریفی ہے کہ ایک طرف بھارت کے شمال مشرقی صوبہ آسام میں مقامی ہندو آبادی کی نسلی اور لسانی برتری قائم رکھنے کے لیے ۴۰ لاکھ افراد کو بنگلہ دیشی بتا کر شہریت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور دوسری طرف جموں و کشمیر کی نسلی، لسانی و مذہبی شناخت کو ختم کرنے کے لیے آئین کی دفعہ ۳۵ (اے) کو ختم کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ علانیہ دہرے پیمانے صرف اس لیے اختیار کیے جا رہے ہیں کہ آسام کی ۳۵ فی صد اور جموں و کشمیر کی ۶۸ فی صد مسلم آبادی ہندو فرقہ پرستوں اور موجودہ بھارتی حکومت کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی ہے۔

منصوبہ یہ ہے کہ آئین کی اس شق کو ختم کر کے بھارت کی دیگر ریاستوں سے ہندو آبادی کو کشمیر میں بسا کر مقامی کشمیری مسلمانوں کو اپنے ہی وطن میں اقلیت میں تبدیل کر دیا جائے۔ اسی طرح آسام میں برسوں سے مقیم بنگالی مسلمانوں کو غیر ملکی قرار دے کر ان کو برما کے روہنگیائی مسلمانوں کی طرح دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر کے ہندو آبادی کو سیاسی اور آبادیاتی تحفظ فراہم کرایا جائے۔

نیشنل رجسٹر آف اسٹیزنز، یعنی شہریوں کی فہرست جو ۳۱ جولائی کو جاری ہوئی ہے، ان میں جن افراد کے نام شامل نہیں ہیں، ان میں بھارت کے مرحوم صدر فخرالدین علی احمد کا خاندان، آسام کی سابق وزیر اعلیٰ سیدہ انورہ تیمور اور ان کا خاندان، ریاستی اسمبلی کے پہلے ڈپٹی اسپیکر امیر الدین کا خاندان، نیز بھارتی فوج، نیم فوجی تنظیموں اور پولیس کے کئی اعلیٰ عہدے دار اور ان کے اعزا و اقارب شامل ہیں۔

اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اگر ایسے مقتدر افراد کا نام یا ان کے خاندان کو شہریت کی فہرست سے خارج کر دیا گیا ہے تو عام آدمی کا کیا حال ہوگا۔ حکومت کا کہنا ہے کہ یہ ابھی صرف ڈرافٹ

لسٹ ہے اور کسی کو بھی فوری طور پر بے دخل نہیں کیا جائے گا اور اس لسٹ کو چیلنج کرنے کے بھی بھرپور مواقع دیے جائیں گے،مگر ان تمام یقین دہانیوں کے باوجود پورے صوبے میں خوف و ہراس کا ماحول ہے۔ مرکزی و ریاستی وزرا، نیز بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کے اراکین اپنے بیانات کے ذریعے اس ایشو کو بھنا کر الیکشن میں ہندو ووٹروں کو اپنے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

چوں کہ خدشہ تھا کہ شہریت کی فہرست سے بنگالی ہندو بھی خارج ہو سکتے ہیں، وزیر اعظم مودی کی حکومت ۱۹۵۵ء کے شہریت کے قانون میں ترمیمی بل پارلیمنٹ میں پیش کر چکی ہے، جو اس وقت پارلیمانی کمیٹی کے سامنے ہے، جس کی رُو سے پاکستان، بنگلہ دیش، افغانستان سے آئے غیر ملکی ہندو پناہ گزینوں کو شہریت مل جائے گی۔ انصاف کے دہرے معیار کی اس سے بڑھ کر اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔

بھارت کی مشرقی ریاستیں

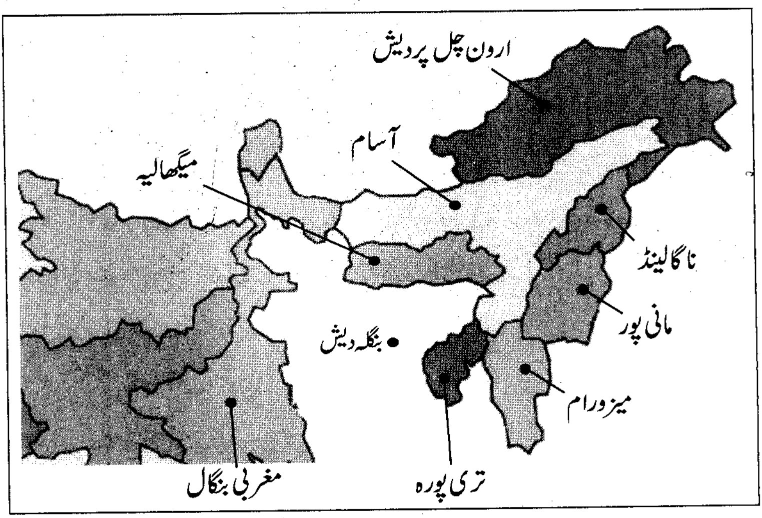

تقسیم ہند اور ۱۹۷۱ء میں سقوطِ مشرقی پاکستان کے وقفے کے دوران مبینہ طور پر بہت سے افراد ہجرت کر کے بھارت کی شمال مشرقی ریاستوں میں بس گئے تھے۔ یاد رہے تب پاکستان کو سفارتی سطح پر زچ کرنے کے لیے سرحدیں کھول دی گئیں تھیں اور اس طرح کی ہجرت کی حوصلہ افزائی بھی کی جارہی تھی۔ جب بنگلہ دیش وجود میں آیا تو اکثر لوگ واپس چلے گئے۔ ۱۹۷۸ء سے

۱۹۸۵ء کے درمیان آل آسام اسٹوڈنٹس (آسو) سمیت کچھ تنظیموں نے پروپیگنڈا شروع کیا کہ بہت سے پناہ گزین بنگلہ دیش جانے کے بجاے آسام میں بس گئے ہیں۔

۱۹۷۸ء میں انتخابات ہوئے تو آسام اسمبلی کے انتخابات میں ۱۷ مسلمان منتخب ہو گئے تھے۔ بس پھر کیا تھا، آسمان سر پر اٹھالیا گیا کہ: ''آسام کو'اسلامی ریاست' میں تبدیل کرنے کے لیے بنگلہ دیشی مسلمانوں کا ایک ریلا چلا آرہا ہے''۔ اسی طرح ۱۹۷۹ء میں فرقہ پرست تنظیموں اور حکومتوں کی درپردہ حمایت یافتہ آسو نے صدیوں سے آباد بنگالی آبادی کے خلاف پُرتشدد اور خونیں مہم چلائی۔ اس سے قبل اس صوبے میں غیر آسامیوں، یعنی ہندی بولنے والوں کے خلاف تحریک شروع کی گئی تھی۔ پھر اس کا رُخ غیر ملکیوں اور خاص کر بنگلہ دیشیوں کے خلاف موڑ دیا گیا۔

بعدازاں اسے آر ایس ایس اور دیگر فرقہ پرستوں کی شہ پر مسلم مخالف خوں ریز تحریک میں تبدیل کر دیا گیا۔ آسام کی تاریخ گواہ ہے کہ غیر ملکی اور خاص کر بنگلہ دیشی ہونے کا الزام لگا کر مسلمانوں کی نسل کشی کی گئی جس میں ۱۹۸۳ء کے نیلی اور چولکاوا کے قتل عام کے روح فرسا واقعات کبھی فراموش نہیں کیے جاسکتے جن میں تقریباً تین ہزار (غیر سرکاری ۱۰ ہزار) افراد کو محض چھے گھنٹوں میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا مگر متاثرین کو آج تک انصاف نہیں مل سکا۔

۱۹۸۵ء میں اس وقت کے بھارتی وزیر اعظم راجیو گاندھی کی نگرانی میں مرکزی حکومت، آسام حکومت اور احتجاجی طلبہ لیڈروں کے درمیان باہمی رضامندی سے آسام آکارڈ (معاہدہ) وجود میں آیا۔ پولیس نے نیلی قتل عام میں ملوث کئی سو افراد کے خلاف فرد جرم عائد کی مگر 'آسام اکارڈ' کی ایک شرط کے تحت مقدمے واپس لیے گئے' اور آج تک اس نسل کشی کے لیے کسی کو سزا ملی، نہ کسی کو ذمہ دار ہی ٹھیرایا گیا۔ اس واقعے کو ایسے دبا دیا گیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔

بنگالی مسلمانوں کے خلاف یہ مہم چلانے والی آل آسام سٹوڈنٹس یونین کے بطن سے نکلی آسام گن پریشد کو بطور انعام اقتدار سونپ دیا گیا۔ اس معاہدے کے مطابق ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء کو بنیاد مان کر اس سے پہلے آسام آکر بس جانے والوں کو شہری تسلیم کیا گیا۔ چنانچہ اس معاہدے کے بعد پارلیمنٹ نے ایک ترمیمی بل کی منظوری دی جس پر اس وقت کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ تمام سیاسی جماعتوں بشمول کانگریس، بی جے پی، کمیونسٹ جماعتوں، نیز تمام غیر سیاسی وسماجی

تنظیموں نے بھی اسے تسلیم کیا تھا۔

چوں کہ یہ مسئلہ ریاست میں مسلمانوں کو ایک سیاسی قوت بننے سے روکنے کی غرض سے کھڑا کیا گیا ہے، اس لیے ۲۰۰۹ء میں اور پھر ۲۰۱۲ء میں آسام سمیلیٹا مہاسنگھ سمیت مختلف فرقہ پرست اور مفاد پرست افراد اور تنظیموں نے سپریم کورٹ میں اس معاہدے کے خلاف مفاد عامہ کی ایک عرضداشت داخل کرکے ۵ مارچ ۱۹۷۱ء کے بجائے ۱۹۵۱ء کی ووٹر لسٹ کو بنیاد بناکر آسام میں شہریت کا فیصلہ کرنے کی استدعا، کی نیز اس معاہدے کی قانونی حیثیت کو بھی چیلنج کیا، جس کی وجہ سے آسام کے لاکھوں افراد بلکہ ہر تیسرے فرد پر شہریت کی تلوار لٹک گئی۔

بعدازاں سپریم کورٹ نے ۱۹۷۱ء کو بنیاد تسلیم کرتے ہوئے شہریوں کی ایک نئی لسٹ تیار کرنے کا فرمان جاری کیا۔ جغرافیائی اعتبار سے صوبہ آسام تین حصوں میں بٹا ہوا ہے۔ لور (نشیبی) آسام جو مغربی علاقہ ہے، اَپر (بالائی) آسام جو مشرقی علاقہ ہے اور بارک ویلی جو جنوب میں واقع ہے۔ ۲۰۱۴ء کے پارلیمانی انتخابات میں ہندوقوم پرست بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) نے ریاست کے ۱۴ میں سے سات پارلیمانی حلقوں میں کامیابی حاصل کی۔ اس کے دو سال بعد بی جے پی نے ریاستی اسمبلی میں بھی اکثریت حاصل کرکے حکومت بنالی۔

آسام کی آبادی کے تناسب پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بنیادی طور پر ایک قبائلی ریاست ہے جہاں کی تقریباً ۴۰ فی صد آبادی مختلف قبائل پر مشتمل ہے، مگر ان کو زبردستی ایک تو ہندو بنا کر رکھا گیا ہے اور دوسرے مسلمانوں اور بنگلہ دیشی پناہ گزینوں کے نام پر ان کو خوف کی نفسیات میں مبتلا کرکے بی جے پی زمین اپنے حق میں ہموار کرنے میں کامیاب ہوگئی۔ انتخابات سے قبل تقریباً ۵ لاکھ بنگالیوں کو مشتبہ ووٹر قرار دے دیا گیا تھا۔

آسام ۲۰۱۱ء کی مردم شماری کے اعداد و شمار

آبادی: ۳ کروڑ ۱۲ لاکھ ۵ ہزار ۵ سو ۷۶

- ہندو : ایک کروڑ ۹۱ لاکھ، ۸۰ ہزار ۷ سو ۵۹ ۶۱٫۴۷ فی صد
- مسلمان : ایک کروڑ ۶ لاکھ ۷۹ ہزار ۳ سو ۴۵ ۳۴٫۲۲ فی صد
- عیسائی : ۱۱ لاکھ ۶۵ ہزار ۸ سو ۶۷ ۳٫۷۴ فی صد

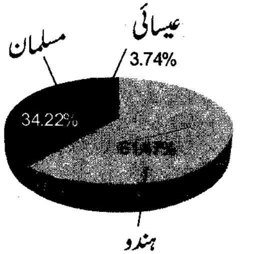

جولائی ۲۰۱۲ء میں بوڈو قبائلی کونسل کے زیرِ انتظام کوکراجھار اور گوپال پاڑا اضلاع میں بوڈو انتہا پسندوں نے پُرتشدد حملے کیے جن کے نتیجے میں تقریباً چار لاکھ افراد کو عارضی کیمپوں میں جان بچاکر پناہ لینی پڑی تھی۔ بی جے پی کی زیرِ قیادت سابقہ حکومت نے ۲۰۰۳ء میں بوڈو لبریشن ٹائیگرز سے معاہدہ کر کے بوڈو علاقائی کونسل قائم کی۔ یہ معاہدہ جنوبی افریقہ کی سفید فام اقلیت کے نسلی حکمرانی (اپارتھیڈ رول) کی یاد دلاتا ہے کیونکہ جن اضلاع میں یہ کونسل قائم کی گئی' ان میں بوڈو قبائل کی تعداد محض ۲۸ فی صد ہے۔

اسی پس منظر میں بنگالی بولنے والی آبادی نے اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ۸۰ء کی دہائی میں یونائیٹڈ مائنارٹیز فرنٹ کے نام سے ایک سیاسی تنظیم بنائی تھی لیکن یہ تجربہ باہمی اختلافات کی وجہ سے زیادہ کامیاب نہ ہوسکا' حالاں کہ اسے اسمبلی اور پارلیمنٹ میں قابلِ ذکر کامیابی ملی تھی۔ فرنٹ سے منتخب ہونے والے رکن پارلیمنٹ بیرسٹر ایف ایم غلام عثمانی (مرحوم) اور دیگر لیڈر کانگریس میں چلے گئے۔ ریاست کے حالات اور کانگریسی حکومت کے رویے سے مایوس ہوکر اکتوبر ۲۰۰۵ء میں اس تجربے کا احیا کیا گیا۔

چنانچہ صوبے کی ۱۳ ملّی تنظیموں نے ایک نیا سیاسی محاذ آل انڈیا ڈیموکریٹک فرنٹ کے نام سے تشکیل دیا۔ اس کی تشکیل میں ایڈووکیٹ عبدالرشید چودھری کا اہم کردار رہا، لیکن انھوں نے اس کی قیادت قبول نہیں کی کیونکہ کوئی سیاسی جماعت چلانے کے لیے پیسے کی ضرورت ہوتی ہے۔ قرعہ فال عُود اور عطر کے بڑے تاجر مولانا بدرالدین اجمل قاسمی کے نام نکلا۔ ان کی قیادت میں فرنٹ ریاست میں حزبِ مخالف کی سب سے بڑی جماعت بن گیا' اور پارلیمنٹ میں بھی اس کی نمایندگی ایک سے بڑھ کر تین ہوگئی۔ ویسے آسام میں ابتدا سے جمعیۃ العلماے ہند کا خاصا اثر رہا ہے اور ہر چپے پر مدارس نظر آتے ہیں۔

آل انڈیا یونائیٹڈ فرنٹ کے صدر اور رکن پارلیمان مولانا بدرالدین اجمل نے جو جمعیۃ علماے ہند صوبہ آسام کے صدر بھی ہیں، ان حالات کے لیے آسام کی سابق کانگریس حکومتوں اور اس کی قیادت کو سب سے زیادہ ذمہ دار قرار دیتے ہیں۔ مولانا اجمل نے جو لوک سبھا میں ریاست کی ڈھبری حلقے سے پارلیمنٹ میں نمایندگی کرتے ہیں، سابق کانگریسی وزیر اعلیٰ ترون گگوئی کو

خاص طور سے نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ اس نے اپنے ۱۵ سالہ دورِ حکومت (۲۰۰۱ء-۲۰۱۶ء) میں ریاست کی لسانی اور مذہبی اقلیتوں کو تین کاری ضربیں لگائیں۔

پہلے انھوں نے ۲۰۰۵ء میں آئی ایم ڈی ٹی ایکٹ کا سپریم کورٹ میں کمزور دفاع کر کے اس کو منسوخ کرایا جس کے تحت کسی شخص کو غیر ملکی ثابت کرنے کی ذمہ داری انتظامیہ پر تھی۔ بنگلہ دیشی دراندازوں کا پتا لگانے اور شناخت کرنے کی غرض سے آئی ایم ڈی ٹی ایکٹ ۱۹۸۳ء میں پاس کیا گیا تھا۔ اس ایکٹ کے تحت کسی فرد کو غیر ملکی ثابت کرنے کی ذمہ داری استغاثہ پر تھی، اب یہ سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد ختم کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد ان کی حکومت نے آسام میں 'بارڈر پولیس ڈیپارٹمنٹ' تشکیل دے کر اسے اس بات کا مکمل اختیار دے دیا کہ وہ جسے چاہے غیر ملکی قرار دے کر گرفتار کر سکتا ہے۔

ہزاروں معصوم لوگ اس ڈیپارٹمنٹ کے ظلم وستم کا شکار ہو چکے ہیں۔ واضح رہے کہ ملک کی دیگر ریاستوں میں اس طرح کا کوئی محکمہ نہیں ہے۔ مزید ستم یہ کیا گیا کہ جن لوگوں کو گرفتار کر کے حراستی مراکز میں ڈالا گیا، ان سے راشن کارڈ چھین لیے گئے۔ آسام کے مسلمانوں کو روہنگیا مسلمانوں کی طرح بے حیثیت کرنے کی سازش چل رہی ہے تاکہ ان کے شہری حقوق چھین لیے جائیں اور ان سے ووٹنگ کا حق بھی سلب کر لیا جائے۔ یہاں اس کا بات تذکرہ برمحل ہوگا کہ اسلام آسام کا دوسرا بڑا مذہب ہے جہاں ۱۳ویں صدی میں سلطان بختیار خلجی کے دور میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا تھا۔

اس وقت تک آہوم سلطنت وجود میں بھی نہیں آئی تھی۔ جب برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی کے بعد بنگال پر قبضہ کیا تو اس کے زیر تسلط آسام کا علاقہ بھی آیا۔ کمپنی نے یہاں بڑے پیمانے پر بنگالیوں کو لاکر بسانا شروع کیا اور ان لوگوں نے معاشی وجوہ سے اپنے رشتہ داروں کو یہاں بلانا شروع کیا، کیوں کہ آسام میں زمینیں زرخیز تھیں۔ مشرقی بنگال سے بڑی تعداد میں بے زمین کسان یہاں آ کر آباد ہو گئے جن میں ۸۵ فی صد مسلمان تھے۔ آج انھی صدیوں سے آباد مسلمانوں کو غیر ملکی یا بنگلہ دیشی قرار دے کر ان کے لیے زمین تنگ کی جا رہی ہے۔